Vol.2No.3 2019
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

قرۃ العین حیدر کے ناولوں میں تصورِ وقت

-

[1]Dr. Shaista Hameed Khan, [2]Dr. Shabnam Niaz

Concept of time in Qurrat-ul-Ain Haider's novels

ABSTRACT

For the first time in modern Urdu novels, history, civilization and culture with its dynamic, lively spiritual interpretation and deep awareness came to the notice of Qurrat-ul-Ain Haider. Qurrat ul-Ain Haider's connection to history is so deep that she accepts it as an event and then succeeds in finding a cultural metaphor. Giving time continuity may not be a big deal, but it is only Qurrat-ul-Ain Haider's job to make history a character while giving meaning to time in the continuity of every age. She deeply observed time and history and created her novels from their interactions. This article discusses the concept of time in Qurrat-ul-Ain Haider's novels.

Keywords: *Qurrat-ul-Ain Haider, Time, Urdu novel, History, concept of time, Culture, Civilization.*

انسان، کائنات اور وقت کی مثلث اسی لمحے وجود میں آ گئی تھی جب انسان کو پہلی بار اپنی فنا کا ادراک ہوا تھا اور اس نے کائنات میں اپنا مقام سمجھنے کے لیے وقت کی ماہیت کو سمجھنے کی کوشش کی۔ وقت کیا ہے ؟ انسانی شعور آج تک اس کی کوئی عقلی توجیہہ پیش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ کیونکہ ہم وقت کا عمومی تصور اس کائنات میں ہونے والے واقعات کے ذریعے کرتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا کسی حد تک درست ہے کہ زمانے کا تصور مادے کی حرکات سے انسانی شعور میں پیدا ہوتا ہے اور وقت کا معیار اور مقیاس انسانی شعور ہی ہے۔ وقت کے حوالے سے بے شمار سوالات ہیں۔ یہ شعور کی ایک ایسی پیچیدہ کیفیت ہے جو ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہونے کے باوجود گرفت میں نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ کم ہی تصورات نے انسانی شعور پر اتنے گہر ے اثرات مرتب کیے ہیں جتنے تصورِ وقت نے۔ انسان نے مختلف علوم کے ذریعے وقت کے نامعلوم تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔

وقت کے اساطیری تصور کو مذہب الارواح (Animism) کا زمانہ قرار دیا جاتا ہے۔ یعنی جب انسان نے اپنے علاوہ دوسری جاندار اور بے جان اشیاء کو بھی روح تفویض کردی تھی۔ یہ خارج کی دنیا کو جاننے کی طرف پہلا قدم تھا جس میں اس نے اپنے محدود علم کو بروئے کار لانے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر وزیر آغا اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ’’شاعری اور آرٹ کی طرح اسطور آفرینی بھی انسان کی اس تخلیقی جست کا نتیجہ تھی جو اس نے جبلی سطح سے آرکی ٹائپل (Archetypal)سطح کی طرف لگائی اور جس نے اسے حیوان کی تنگ اور حسیات کی تابع فضا سے باہر نکال کر تخیل کی اس فضا میں لا کھڑا کیا جو انسانی آزادی کی طرف ایک نہایت اہم قدم تھا۔‘‘ ۱ـہ

[1]Assistant Professor, Department of Urdu, GC University, Lahore
[2]Assistant Professor, Department of Urdu, Lahore Collage for Women University, Lahore

Vol.2No.3 2019
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اس تصور سے اجتماعی لاشعور کی وہ دنیا بھی سامنے آتی ہے جس میں ہزاروں سال کے تجربات جمع ہیں۔ اساطیر میں وقت کےخطی (Linear) اور دائروی (Cyclic) دونوں تصورات ملتے ہیں۔ خصوصاً کائنات کے زمانی ادوار کے لیے چار کا ہندسہ تواتر کے ساتھ نظر آتا ہے۔ مثلاً قدیم ایران کے زرتشتی مذہب کا عقیدہ تھا کہ ایک زمانی دور ۱۲۰۰۰ سال کا ہوتا ہے جو ۳۰۰۰ سال کے چار حصوں پر مشتمل ہے اور جس کے اختتام پر اہورامزدا (نیکی کا خدا) ایرمن (بدی کے خدا) پر غالب آ جائے گا۔ بائبل میں چار دنیائوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ قدیم میکسیکن عقیدے کے مطابق ہماری اس دنیا کے علاوہ چار اور دنیائیں بھی موجود ہیں۔ وقت کے مذکورہ بالا تمام دائرے کائناتی دائرے کہلاتے ہیں اور تقریباً تمام قدیم تہذیبوں کی اساطیر میں دائرے کا تصور کسی نہ کسی صورت میں ملتا ہے۔ موسموں کا نظام اور خود انسانی زندگی کے مراحل بظاہر ہر دائروی طریق کار کے ہی غماز ہیں۔ موجودہ ہندو مذہب ’’پرانوں‘‘ پر مشتمل ہے۔ یہ قدیم مذہبی نوشتے ہیں جن میں تخلیقی عالم کے متعلق قصے درج ہیں۔ ہندوئوں کے بڑے دیوتا تین ہیں۔ براہما، وشنو اور شیوا۔ ہندی دیو مالا کی تفصیلات دو صورتوں میں ملتی ہیں۔ ایک ویدک لٹریچر اور دوسرے وہ تین سو ترپن ۳۵۳ فلسفے ہیں جن کا مجموعہ ’’ناستک درشن‘‘ کہلاتا ہے۔ ویدوں میں کال (وقت) کو اولین ہستی کہا گیا ہے جس پر عالم کی بنیاد پڑی۔ موجودہ اور ممکنہ ہر واقعے کی بنیاد کال ہے۔ کال سے ہی سورج طلوع ہوتا ہے اور اس میں غروب ہوتا ۔ وہ ہمیشہ سے موجود اور رواں دواں ہے۔ اس فلسفے کے مطابق عالم کسی خالق کے ارادے یا حکم سے پیدا نہیں ہوا بلکہ پرش اور پر کے ملاپ کا نتیجہ ہے۔ اس نظریے کے مطابق زمان و مکان کی حیثیت نہیں ہے یہ صرف ہمارے شعوری احساس اور تخیل کا مظہر ہے۔ انہی کی بات پر مقام اور حادثات کا فرق ظاہر ہے جو حقیقت نہیں ہے۔ حقیقت لازماں، لامکاں اور کامل ہے۔ اس کو نہ پہلے کی ضرورت ہے نہ بعد کی۔ اس نظریے کی بنیاد پر کرم کا فلسفہ وجود میں آیا ہے جس کے مطابق ہر روح کے ساتھ اس کے پران اور کرم وابستہ ہیں اور جب تک روح ان سے آزاد نہیں ہو جاتی اسے متواتر ایک سے دوسرے جسم میں منتقل ہونا پڑتا ہے۔ لیکن تمام قیاس آرائیوں کے بعد رفتہ رفتہ کائنات کے ناظم دیوتا ’’شِو‘‘ کو ہی مان لیا گیا ہے۔ کال جو نہ کسی کا دوست ہے نہ دشمن۔ جہاں فرد نے وقت کے اثبات کی طرف سفر شروع کیا تو وہیں سے وقت کے مذہبی تصور کا آغاز ہوتا ہے۔ انسانی تہذیب کے تین بنیادی رکن ہیں۔ مذہب، فلسفہ اور سائنس۔ مذہب ان سوالات کے جواب دیتا ہے جن کا تعلق کائنات کی ابتدا اور انتہا سے ہے نیز اخلاقیات کے مسائل کا بھی احاطہ کرتا ہے۔

جدید اُردو ناول میں پہلی بار گہرے علمی شعور کے ساتھ تاریخ، تہذیب، تمدن اور ثقافت اپنی متحرک اور جاندار معنوی تعبیر کے ساتھ قرۃالعین حیدر کے ہاں نمایاں ہوئے۔ قرۃالعین حیدر اُردو کی عظیم ناول نگار ہیں۔ وہ ۲۰ جنوری ۱۹۲۷ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئیں۔ وہ اُردو ناول نگار سجاد حیدر یلدرم کی دختر ہیں جنھوں نے اپنے والد کی پیروی کرنے کی بجائے حقیقت نگاری کا سہارا لیا۔ اُن کی افسانوی دنیا بہت متنوع ہے۔ اُن کا فنی سفر ہندوستان اور مسلسل بدلتے عالمی تناظر کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ ان کے ناولوں میں انسانی وجود کی معنویت کے ساتھ ساتھ اس کی جذباتی، روحانی اور ذہنی کائنات کو بھی تہہ در تہہ

Vol.2No.3 2019
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

دریافت کرنے کی جو کوشش کی گئی ہے وہ کسی اور ناول نگار یا فکشن رائٹر کے ہاں نہیں ملتی۔ ڈاکٹر شمیم حنفی اُن کے بارے میں لکھتے ہیں:

''قرۃالعین حیدر کے رویے میں وقت کے دو مختلف منطقوں کی طرف اگر ایک سی قبولیت نہ ہوتی تو وہ یا تو صرف مؤرخ بن کر رہ جاتیں یا صرف وقائع نویس۔ ان کی کہانیوں اور ناولوں میں تاریخ سے شغف جن مقامات پر ضرورت سے زیادہ نمایاں ہوتا ہے وہاں بھی تاریخ ان تک ایک واردات کی صورت میں پہنچتی ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو فکشن لکھتے وقت تاریخ کو اس درجہ ڈھیل دینے کا جواز بھی نہیں تھا... ایک وسیع اور کثیر الجہات اجتماعی کلچر کے بنائو اور بگاڑ تک قرۃالعین حیدر نے تشخیصی اور اجتماعی تاریخ کے تقریباً تمام اہم واقعات کو رجسٹر کیا ہے۔'' ۲؎

قرۃالعین حیدر کے ناولوں میں ہندوستان کے بدلتے تناظر کی جو تاریخ رقم ہوئی اُس حوالے سے خورشید انور لکھتے ہیں:

''قرۃالعین حیدر نے اپنے ناولوں میں ہندوستان کے مختلف ادوار میں سماج کے اندر مروج مختلف خیالات و تصورات کے ذریعے بھی ہندوستان کی تاریخ کی عکاسی افسانوی شکل میں کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو ان کے تاریخی شعور کا نمایاں پہلو ہے۔'' ۳؎

قرۃالعین حیدر نے اُردو ادب میں نیم دستاویزی اور سوانحی ناول لکھ کر موضوعاتی وسعت پیدا کر دی ہے۔ اُنھوں نے تاریخ کے بہت سے حقیقی کردار اپنے ناولوں میں پیش کیے ہیں لیکن عبدالحلیم شرر انہیں تاریخی ناول نگار ماننے سے انکاری ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ تاریخی ناول نہیں لکھتیں بلکہ تاریخی شعور کو بنیاد بناتی ہیں۔ قرۃالعین حیدر کے ناولوں میں ہمیں وقت کا تصور ملتا ہے اور یہ ان کے ہر ناول میں تقریباً بنیادی جز ہے۔ وقت سے متعلق سب سے پہلے آئن سٹائن نے نظریات دیے۔ اُردو ادب میں بھی وقت سے متعلق بکھرے تصورات نظر آتے ہیں جن میں اقبال نمایاں ہیں جنھوں نے سب سے پہلے وقت کے بارے میں ایک نظام کے تحت سوچا اور شاعری کے ذریعے اپنے تصورات پیش کیے۔ تاریخ اور وقت گویا زمانوں کی تقسیم سے مبرا ہیں اور انسانوں کے اندر موجود ہیں جنھیں دریافت کیا جا سکتا ہے۔ قرۃالعین حیدر علامہ اقبال سے متاثر ہیں۔ اس کی مثال ان کی خود نوشت ہے جس کا عنوان اُنھوں نے اقبال کے ایک مصرعے سے لیا ہے:

ع کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

اس مصرعے میں وقت کا تصور واضح ہو گیا ہے کہ وقت موجود ہے اور موجود رہتا ہے۔ اس بات کو ایک اور طرح سے رشید احمد نے لکھا ہے:

''علامہ اقبال کے نزدیک تصورِ وقت کو سمجھے بغیر تاریخ سمجھ نہیں آتی۔ حکومتوں کے آنے جانے، رات اور دن کے سلسلوں کی تدوین، تاریخ نہیں ہے۔ اقبال کے ہاں تاریخ اس لمحے کا نام ہے جو

Vol.2No.3 2019
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

لمحہ خود تاریخ بن جائے۔ دراصل یہی وہ لمحہ ہے، جب وقت کو شکست ہو جاتی ہے۔'' ۴؎

قرۃالعین حیدر کا کام تاریخ سے اتنا گہرا ہے کہ وہ اسے ایک واردات سمجھ کر قبول کرتی ہیں اور پھر ایک تہذیبی استعارہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ وقت کو ایک تسلسل دینا تو کوئی بڑا کام شاید نہ ہو لیکن وقت کو ہر زمانے کے تسلسل میں معنویت دیتے ہوئے تاریخ کو ایک کردار بنا کر دیکھنا صرف انہی کا کام ہے۔

قرۃالعین حیدر کے تاریخی شعور کا سب سے اہم اور نمایاں پہلو ان کا وقت کا شعور ہے۔ وقت ایک تسلسل ہے جسے دیکھا نہیں جا سکتا صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ وقت صرف ماضی سے مستقبل کی طرف رواں رہتا ہے۔ حال ضمنی طور پر آتا ہے اور لمحہ اسے ماضی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ وقت کے اس تسلسل کے ساتھ ہی تمام چیزیں ماضی سے مستقبل کی طرف حرکت کرتی ہیں اور مسلسل ارتقائی شکل میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ جدید سائنس کے نزدیک وقت کا صرف ایک بُعد ہے، جبکہ وسعت یا خلا کے تین بُعد طول ، عرض اور عمق ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں خورشید انور لکھتے ہیں:

''وقت صرف مستقبل کی جانب حرکت کرتا ہے۔ اسے ماضی کی طرف لے جانا ممکن نہیں ہے۔ ارتقا کے تمام سلسلے کسی خاص مدت میں عمل میں آتے ہیں۔ چنانچہ یہ واحد بُعد جو کہ وقت کے ساتھ وابستہ ہے مادے کی حرکت کے لیے عین ضروری بُعد ہے اسی وجہ سے اکثر وقت کو وسعت کا چوتھا بُعد تصور کیا جاتا ہے۔ کوئی شے وقت کے دا ئرے میں موجود رہے بغیر صرف وسعت میں ہی موجود نہیں رہ سکتی اور نہ ہی کوئی شے وسعت میں موجود رہے بغیر وقت میں موجود رہ سکتی ہے۔ یعنی وسعت اور وقت جنہیں زمان و مکان سے منسوب کیا جاتا ہے ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔'' ۵؎

قراۃالعین حیدر کے تقریباً تمام ناولوں میں وقت کا تصور موجود ہے اور اس حوالے سے سیرحاصل بحث کی گنجائش بھی موجود ہے۔ ''میرے بھی صنم خانے'' ان کے ذہنی سفر کا نقطہ آغاز ہے جو ان کے آنے والے تخلیقی مزاج اور تاریخ و تہذیب سے برتاؤ کی کلید کا پتہ دیتا ہے۔ یہ ناول دسمبر ۱۹۴۷ء میں مکمل ہوا۔ ناول کا پلاٹ متحدہ ہندوستان کا ہے جس میں دوسری جنگ عظیم کے جھٹکوں اور آزادی کی تحریکوں کی بازگشت بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔ اس ناول کے حوالے سے خود قرۃالعین حیدر ایک مضمون میں لکھتی ہیں:

''تقسیم ہند کے صدمہ نے ۴۷ء کے آخر میں مجھ سے 'میرے بھی صنم خانے' لکھوائی جو آج بھی اُردو کی چند اچھے ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ذہنی جلا وطنی نے مجھے پریشان کیا۔'' ۶؎

Vol.2No.3 2019
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اس ناول میں وقت کا ایک ایسا تصور ملتا ہے جس میں یاس انگیزی کے عناصر شامل ہیں۔ وقت کے ہاتھوں تخریب کے منفی پہلو پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس حوالے سے قرۃالعین حیدر ناول میں لکھتی ہیں:

''ایک کارواں جو آگے بڑھتا ہے۔ ماضی کا افسوس اور فرد کی فکریں اس کی رفتار پر اثر انداز نہیں ہو سکے۔ نئے دن آتے ہیں اور نئی راتیں آتی ہیں۔ جھکڑ چلتا ہے آندھیاں اٹھتی ہیں۔ کسی کو موت آتی ہے کسی کو نہیں آتی۔'' ۷ـــ

اُنھوں نے تقسیم کے بعد آدرشوں کی ٹوٹ پھوٹ کا المیہ بیان کیا ہے اور اس ساری صورتِ حال کا ذمہ دار وقت کو ٹھہراتے ہوئے دنیا کی بے ثباتی اور وقت کی ابدیت کا تصور پیش کیا ہے۔ کچھ اور مثالیں ملاحظہ ہوں:

''پھر وقت کی پرواز کے ساتھ کوئی نیا معمہ بن جائے گا۔ نیا حل تلاش کر لیا جائے گا۔ ہم جہاں ہیں اس جگہ نہ ہوں گے۔ یہ سمے آگے نکل جائے گا زندگی کی مقناطیسی رو وقت کے ریگستان میں کھو جائے گی۔'' ۸ـــ

''وقت بہت غلط موقعوں پر آگے بھاگ جاتا ہے اور ہم اسے واپس نہیں لا پاتے۔'' ۹ـــ

''وقت کی بات، یہ وقت کی بات۔ جو لمحے گزر جاتے ہیں وہ واپس نہیں آ پاتے۔ وہ اپنے ہونے کا شدید تکلیف دہ احساس چھوڑ جاتے ہیں۔'' ۱۰ـــ

مندرجہ بالا تمام اقتباسات سے واضح ہو رہا ہے کہ اس ناول میں اُنھوں نے وقت کی سفاکیت کو بیان کیا ہے کہ کس طرح وقت کے سیل رواں میں تمام خس و خاشاک نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور اپنے ہونے کا تکلیف دہ احساس اور اذیت ذہنی خلجان چھوڑ جاتے ہیں۔

''سفینۂ غم دِل'' کو اِن کے پہلے ناول کی توسیع بھی کہا جا سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس میں بھی تقسیم ہندوستان کے بعد کی صورت حال ان گھرانوں کی ہے جو ان کے پہلے ناول میں اپنے مشاغل اور کلچر کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ ناول بھی جاگیر دار طبقے کے زوال کو موضوع بناتا ہے۔ یہ زوال محض ہندوستان کی تقسیم کے نتیجے میں نہیں رہا بلکہ یہ ان پرانی اقدار کی ٹوٹ پھوٹ سے پیدا ہو رہا تھا جو اپنی مدت پوری کر چکی ہیں۔ اب ایک نیا زمانہ اور اس کی نئی سیاسی ضروریات پیدا ہو رہی تھیں۔ اس لیے اس طبقے کا ان تبدیلیوں کے ساتھ چلنا ممکن نہیں ہو رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس طبقے کے مشاغل میں فرق نہیں آ رہا تھا۔ لہٰذا نئے دور میں وہ اپنے مثاغل کے ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ ناول میں تاریخ کے اس موڑ پر مسلمان رئیسوں کے لیے یہ سوچنا مشکل تھا کہ اپنے خاندانی کروفر کو ہندوستان میں بچا پائیں گے یا ہجرت کو ترجیح دیں اور وہاں حاکمیت کے خواب کے ساتھ رئیسانہ جاہ و جلال کا تسلسل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ یہ سوال بہت سے خاندانوں کے لیے تذبذب

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اور المیہ بنا۔ یہ تھا وہ ملال جو قرۃالعین حیدر کے اس ناول کا موضوع بنا جو ہجرت کے ساتھ ہی اس طبقے کے زوال کا المیہ بن جاتا ہے۔ ڈاکٹر ایم نسیم اعظمٰی لکھتے ہیں:

> ’’قرۃالعین حیدر کا دوسرا ناول ’سفینۂ غم دل‘ ہے۔ اس میں بھی اسی مخصوص اور اعلیٰ سوسائٹی جس کی مصنفہ پروردہ ہیں کی ترجمانی کی گئی ہے۔ مگر اس ناول میں شگفتگی کی بجائے افسردگی کا عنصر زیادہ نمایاں ہے۔ یہ ان کا کمزور اور خود سوانحی ناول ہے جو نقش ثانی ہوتے ہوئے بھی نقش اول کے مقابلے میں پست ہے۔ پھر بھی اس کے کرداروں میں ایک خاص قسم کا احتیاط و انہماک پایا جاتا ہے اور ہمہ جہتی اور ہمہ رنگی کے اوصاف بھی۔‘‘ ۱۱ـــ

ناسٹلجیا کا احساس، تقسیم کے نتیجے میں تہذیبی ٹوٹ پھوٹ، جمی جمائی زندگی کی شکستگی اور وقت کی حد بندیوں میں داخلی کرب کے تحت دھندلا اور غیر واضح ہونے کا احساس نہ صرف ناول کی فکری گہرائی میں اضافہ کرتا ہے بلکہ داخلی سطح پر نئے طرزِ اظہار کو بھی راہ دیتا ہے۔ قرۃالعین حیدر اس ناول میں زندگی کو عقوبت خانہ قرار دیتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ’’ارنسٹ برومیل کیا تم بھول رہے ہو کہ ہم سب ایک اندھیارے سے نکل کر دوسرے میں دھکیل دیے گئے ہیں۔ زندگیاں جیل خانوں، کیمپوں اور ریفیوجی بستیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہیں۔ دو سال میں چکی پیسا کیا اور میں نے نواڑیں بنیں لیکن اب بھی ہم اور تم وہیں پر ہیں...‘‘ ۱۲ـــ

قرۃالعین کا تیسرا ناول ’’آگ کا دریا‘‘ ہے جو ۱۹۰۹ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اگرچہ قرۃالعین حیدر کے تمام ناولوں میں وقت ’’زمان و مکان‘‘ کی قیود کے مابین ناول کی تشکیل میں اہم رول نبھاتا ہے لیکن ’’آگ کا دریا‘‘ وقت کے تسلسل کو ہی بنیاد بنا کر لکھا گیا ہے۔ دریا کی علامت ہی تسلسل کے معنوں میں استعمال کی گئی ہے۔ وقت تاریخ میں کیسے تبدیل ہوتا ہے اور پھر تاریخ کیسے انسان میں منتقل ہوتی ہے یہ علومِ بشریات کا دلچسپ موضوع رہا ہے۔ اگر ہم قرۃالعین حیدر کے تصورِ فن میں وقت کی تاریخ اور کائنات کے بہاؤ کو دیکھیں تو ہمیں تاریخ سے نہیں تاریخ کے فلسفے سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں محمد ایاز لکھتے ہیں: ’’ماضی بدلتا نہیں اور وہ حال سے اپنی بے تعلقی کا منکر ہے۔‘‘ ۱۳ـــ

’’آگ کا دریا‘‘ کا آغاز ٹی ایس ایلیٹ کی نظم Four quartets کی ان لائنوں سے ہوتا ہے:

> ’’میں دیوتائوں کے متعلق زیادہ نہیں جانتا، لیکن
> میں سمجھتا ہوں کہ دریا
> ایک طاقت ور مٹیالا دیوتا ہے، تند مزاج، غصیلا
> اپنے موسموں اور اپنے غیض و غضب کا مالک، تباہ کُن
> وہ ان چیزوں کی یاد دلاتا رہتا ہے،
> جنھیں انسان بھول جانا چاہتے ہیں

Vol.2No.3 2019
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

وہ منتظر ہے اور دیکھتا ہے اور منتظر ہے
دریا ہمارے اندر ہے، سمندر نے ہمیں گھیر رکھا ہے
خاتمہ کہاں ہے بے آواز چیخوں کا
خزاں میں خاموشی سے مرجھاتے پھولوں کا
جو چپ چاپ اپنی پنکھڑیاں گراتے ہیں
یہ لمحے مستقبل ہیں... جس طرح وقت مستقبل ہے
لاشوں اور خس و خاشاک کو اپنی موجوں میں
بہاتے ہوئے دریا کی مانند وقت جو تباہ کن ہے قائم بھی رہتا ہے'' ۱۴ـ

پوری نظم میں دریا ایک علامت ہے وقت کے تسلسل کی یعنی ''اس لمحے کے دونوں کناروں کے درمیان وقت معطل ہے۔ مستقبل اور ماضی پر یکساں دھیان کرو۔'' ۱۵ـ

قرۃالعین حیدر نے وقت کو ایک ابدی کردار کی حیثیت سے پیش کیا ہے جس کے لیے اُنھوں نے ہندی دیومالا کے فلسفہ عمل سے بھی بحث کی ہے۔ مگر وقت کے فعال تصور کی جو عکاسی بدھ فلسفے میں ملتی ہے وہ اڑھائی ہزار سال پرانی نہیں بلکہ جدید معلوم ہوتی ہے۔ بدھ فلسفے کے مطابق وقت سب سے بڑی طاقت، تغیر اور ناقابل تردید حقیقت ہے۔ وقت کی اسی تغیر کاری میں انسان دکھ سہتا ہے اور آگہی پاتا ہے۔ اسے کہیں اور سے روشنی نہیں مل سکتی:

> ''اپنشدوں میں لکھا ہے کہ کائنات آزادی میں پیدا ہوئی۔ آزادی میں موجود رہتی ہے اور آزادی میں سمو جاتی ہے۔'' ۱۶ـ

جدید علم طبیعات کے مطابق وقت محض خیالی تصور نہیں ہے۔ آئن سٹائن نے نظریہ اضافیت کے مابین یہ ثابت کیا ہے کہ وقت محسوس بھی کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ مادے میں مسلسل حرکت اور ارتقا بذاتِ خود اس بات کی دلیل ہے کہ وقت کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ قرۃالعین حیدر اس بارے میں لکھتی ہیں: ''وسعت کو محسوس کیا جا سکتا ہے، وقت کو صرف سوچا جا سکتا ہے۔'' ۱۷ـ

ہر شے وقت کے اندر ارتقا پذیر ہے۔ پرانے شاہکار مٹ کر ماضی کا حصہ بن جاتے ہیں اور نئے وجود میں آتے ہیں۔ اس سلسلے کا خاتمہ کہیں نہیں ہے:''وقت ارجن کے خدا کی طرح اپنے شاہکاروں کو خود تباہ کر دیتا ہے۔ مگر وقت ابدیت سے علاوہ صرف مستقبل پر بھروسہ رکھتا ہے۔'' ۱۸ـ

قرۃالعین حیدر نے وقت کے فلسفے کو پیش کرتے ہوئے مختلف مقامات پر دو علامتوں کا استعمال کیا ہے۔ پہلی ''دریا'' جو مسلسل ارتقا اور روانی کی علامت ہے اور دوسری ''پتھر'' جو قرۃالعین حیدر کے الفاظ میں Timeless become کی علامت ہے۔ اس خیال کا اظہار اس ناول میں ان الفاظ میں کرتی ہیں:

> ''ندی رواں تھی۔ کنارے پر مکان بنے تھے۔ ان مکانوں میں انسان سو رہے تھے۔ انسانوں کے نام بھی تھے۔ مکان پتھر کے بنے تھے۔ ساحل پر پتھر بِکھرے تھے۔ وقت رواں تھا۔ وقت پتھر میں منجمند تھا۔'' ۱۹ـ

دریا بہتا ہوا وقت ہے اور پتھر وقت کی منجمند شکل ہے:

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

''پہاڑوں پر گلیشیئر ٹوٹ ٹوٹ کر بہہ رہے تھے۔ ہوائیں، اندھیرا وقت جو سیال تھا۔ وقت جو برف میں منجمند تھا۔'' ۲۰؎

ڈاکٹر شیبا عالم اس بارے میں بیان کرتی ہیں:

''قرۃالعین حیدر نے اپنے ناول 'آگ کا دریا' میں اپنی اسی حسیت اور بصیرت پر بھروسہ کیا ہے۔ اس لیے یہاں تاریخیت اور وقت کے تصور کو ناول کی بنیادی تکنیک میں اس طرح سمویا گیا ہے کہ کہانی کا اپنا وجود تکنیک میں کہیں چھپ گیا ہے۔ قرۃالعین حیدر کسی منتخب موضوع کو سامنے رکھ کر ناول نہیں لکھ سکتیں۔ وہ تو واردات کے بہائو سے اس دریا کی مانند رواں ہوتی ہیں جو جہاں سے گزرتا ہے وہاں کی مٹی، وہاں کی گھاس، وہاں کی ہوا وہاں کے نشیب و فراز اور وہاں کے جھاڑ جھنکار کو اپنے ساتھ شامل کرتا جاتا ہے۔'' ۲۱؎

وقت کا ایک پہلو بہت نمایاں طور پر قرۃالعین حیدر کے یہاں دیکھنے کو ملتا ہے اور وہ پہلو وقت کی بے پناہ طاقت ہے۔ وقت کے سامنے کسی کا زور نہیں چلتا۔ وقت کی بھی شے کو پلک جھپکتے ختم کر سکتا ہے۔ اس بات کو قرۃالعین حیدر نے ''آگ کے دریا'' میں یوں بیان کیا ہے:

''پھر سناٹے میں عجیب و غریب آوازیں بلند ہونا شروع ہوئی۔ ایسا لگا جیسے تاریک ویران گلی میں بھاری بھاری رتھ گزر رہے ہیں اور ان رتھوں پر زرتا چھتوں کے نیچے کانوں میں سونے کے کُنڈل پہنے اور دوشالے اوڑھے اجنبی انسان بیٹھے اسے جھانک رہے ہیں۔ اندھیرے میں ان کی آنکھیں فاسفورس کی طرح چمک رہی تھیں اور بڑے خوفناک طریقے سے ہنستے تھے اُس کا منہ چڑھاتے ہو گویا کہتے ہوں۔ دیکھو جس طرح ہم ختم ہوئے ہیں تم بھی نیست و نابود کر دیے جائو گے۔'' ۲۲؎

یہاں وقت کے سامنے سب مجبور نظر آتے ہیں۔ وقت سے زیادہ کچھ بھی طاقت ور نہیں: ''وقت فنا میں شامل ہے۔ وقت موت ہے۔'' ۲۳؎

''آگ کا دریا''بہتا رہا اور کردار اس میں سے گزرتے رہے۔ جیسے وقت کا دھارا بہتا رہتا ہے اور کردار ابھرتے ڈوبتے ناول میں دکھائی دیتے ہیں۔ چمپا احمد ایک خود اعتماد عورت کے طور پر کچھ کرنا چاہتی ہے۔ یہ وہ احساس ہے جو قرۃالعین اپنے ہر اس کردار کے لیے محسوس کرتی ہیں جو آدرش کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

''آخر شب کے ہمسفر'' ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔ اس ناول میں تاریخی حقائق کی بازگشت سنائی دینے کے باوجود یہ تاریخی ناول نہیں ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ ہندوستان میں انقلابی تبدیلی کی آخری شب ہے جس کے مسافر آخر میں بھٹکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں لیکن اتنی جلدی نتیجہ نکالنے سے ناول میں تہہ در تہہ صداقتیں اوجھل ہو سکتی ہیں۔ قرۃالعین حیدر کی تاریخی حیثیت بنگال کی پر اسراریت میں بہت کچھ تلاش کر رہی تھی۔ اس میں ہماری تاریخ کے کئی اہم گوشے موجود

Vol.2No.3 2019
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

تھے۔ بنگال میں چونکہ باہر سے کئی قوموں کے لوگ آ کر آباد ہوئے تھے۔ وہاں کا سمو پولیٹن کلچر نظر آتا ہے۔ چونکہ بنگال ہندوستان کے اجتماعی احساس کا ایک اہم حوالہ ہے اس لیے بنگال بھی اپنا آپ قاری پر ظاہر کرنے لگتا ہے۔ تاریخ کے متعلق ناول نگار کی سوچ درج ذیل ہے:

''تاریخ آپ سے آپ ہمیں سمجھا دیتی ہے۔ اس لیے کہ ہم خود تاریخ ہیں۔ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگیاں تاریخ کی مجموعیت کی سب سے بڑی تفسیر ہیں۔'' ۲۴ے

انسانوں کے قافلے منزلیں طے کرتے ہوئے مسلسل رواں دواں ہیں اور وقت کی رفتار مسلسل ہے۔ پروفیسر سیّدہ جعفری لکھتی ہیں:

''آخر شب کے ہمسفر میں یہ تصور بنیادی اہمیت کا حامل نظر آتا ہے کہ نئے نظریات سے مالامال، روشن خیال نسل بھی بالاآخر اپنے مرکز اور اصل کی طرف لوٹتی ہے اور مستقبل کی سمت اس کی پیش قدمی حال اور ماضی سے پیوستہ ہوتی ہے۔ اس ناول میں دیپالی سرکار اگر پرانی نسل کے نمائندہ ہیں تو ناصرہ نجم السحر نئی نسل کی ترجمان ہیں۔ وہ کہتی ہے کل کے باغی آج کی اسٹیبلشمنٹ میں شامل ہو چکے ہیں۔ تم آج کے باغی ہو ممکن ہے تم کل کی اسٹیبلشمنٹ میں شامل ہو۔'' ۲۵ے

''آخر شب کے ہمسفر'' کا بنگال وہ نہیں ہے جو مؤرخین نے لکھا ہے۔ وہ ہے جو ناول نگار نے لکھا ہے۔ اس لیے جو مکالمہ وہ کر رہی ہیں وہ کرداروں کے داخلی اور باطنی وجود کا حصہ ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''اٹھو دیپالی! وہ اکثر جوبیس گھنٹے وقت کے اندرونی سفر میں خود سے کہتی رہتی۔ اٹھو! اب یہ کام کرنا ہے، اب یہاں جانا ہے، اب یہ پڑھنا ہے، اب اس سے بات کرنی ہے، تھکو مت!'' ۲۶ے

اس ناول میں دیپالی یہ محسوس کرتی ہے کہ وقت کے پران اور گریز لمحات انسانی وجود سے ہی منسلک نہیں انسان عمل سے بھی مربوط ہیں۔ وہ جدت پسندی کے باوجود ماضی کی روایات سے اپنے رشتے فراموش نہیں کر پاتی اور قرۃالعین حیدر اس بیان پر اپنے ناول کا اختتام کرتی ہیں:

''لاکھوں برس سے سورج اسی طرح طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے اور طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے اور طلوع۔'' ۲۷ے

''کارِ جہاں دراز ہے'' تصورِ وقت کے حوالے سے قرۃالعین حیدر کا سوانحی دستاویزی ناول بھی خاصا اہم ہے۔ وہ اس کے تعارف میں لکھتی ہیں: ''ذاتی طور پر میرا بیشتر ادب گزشتہ زمانوں کی تلاش پر مبنی ہے۔'' ۲۸ے اُنھوں نے جس طرح وقت کو انسانی زندگی کے اہم ترین کردار کے طور پر پیش کیا ہے، اس کا ایک اظہار ''کارِ جہاں دراز ہے'' کے اسی فقرے میں موجود ہے:''اجی میں خود مستقبل سے نکل کر آیا ہوں... میں وقت ہوں... زندگی کا کاغذ کترنے والا...'' ۲۹ے

Vol.2No.3 2019
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

''کارِ جہاں دراز ہے'' میں معنی کی اتنی سطحیں ہیں کہ ہم تاریخ، حافظے، افسانے اور حقیقت کے درمیان الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ اس ناول میں ان کا تصور پوری طرح سامنے آ گیا ہے کہ ہمارے اندر ہمارے آ باؤ اجداد زندہ رہتے ہیں۔ وہ اپنے ناولوں میں شعور کی رو سے کام لیتی ہیں۔ کھوئے ہوئوں کی جستجو انہیں ماضی کی یادوں میں گم کر دیتی ہے۔ ڈاکٹر مظفر حنفی قرۃالعین حیدر کے اسلوب میں شعور کی رو کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''عینی 'شعور کی رو' کے خلاقانہ استعمال پر قدرت کاملہ رکھتے ہیں۔ جس طرح داستانوں میں بعض کردار بندر یا طوطے کے قالب میں اپنی روح منتقل کر سکتے ہیں اسی طرح عینی شعور کی رو کے فنکارانہ استعمال سے کسی زمانے یا کسی علاقے سے دوسرے زمانے یا دوسرے قالب میں اپنی روح منتقل کر سکتی ہے۔'' ۳۰ے

''گردشِ رنگ چمن'' موضوع کے اعتبار سے ان کی فکر کا ہی تسلسل ہے۔ یہ ایک نیم دستاویزی ناول ہے۔ اس ناول میں تین نسلوں کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ ۱۸۰۷ء سے پہلے کی تہذیب، اس دور کی تہذیب اور اس کے بعد کی تہذیب اس ناول میں بیان کی گئی ہے۔ اس ناول میں وقت کے تیز سفر میں انسانی مختلف کرداروں کے حوالے سے تہذیب کی بدلتی بنتی صورت حال کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس ناول میں اُنھوں نے شعور کی رو کا بہت استعمال کیا ہے۔ واقعات و سانحات کو جوڑنے اور کرداروں کی مدد سے شعور کی تکنیک سے پوری کہانی بیان کرنا نہایت شاندار فن ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف کہتے ہیں:

> ''عندلیب کا منصور کو یہ کہنا نہایت معنی خیز ہے کہ زندگی کی گاڑی اندھا دھند پٹریاں بدلتی ہے۔ کوئی اس انجن کا ڈرائیور نہیں ہے۔ سب معاملہ اندھا دھند ہے۔'' ۳۱ے

حاصل بحث یہ کہ قرۃالعین حیدر نے اُردو ناول میں جو شہرت حاصل کی وہ ان کی انفرادیت کی بدولت ہے۔ اُنھوں نے تاریخ اور تصورِ وقت کو اپنی ناول نگاری کے ذریعے قارئین میں عام کرنے کی سعی کی ہے۔ اُن کے نزدیک وقت مسلسل ہے، وقت کا بہاؤ مسلسل ہے جو کسی دریا کی طرح رواں دواں ہے۔ اُن کی خیال میں ''پچھلا سلسلہ آج سے منسلک ہے۔ کوئی بھی سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہو سکتا۔'' ۳۲ے اُنھوں نے اُردو ناول میں جو مقام و مرتبہ حاصل کی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

حواشی

۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، بحوالہ، اُردو فکشن میں وقت کا تصور، ناہید قمر، ڈاکٹر، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء، ص: ۲۴۔
۲۔ شمیم حنفی، خیال کی مسافت، نئی دہلی: تخلیق کار پبلشرز، ۲۰۰۷ء، ص: ۲۹۳۔
۳۔ خورشید انور، قرۃالعین حیدر خصوصی مطالعہ، مرتبین: سید عامر سہیل، شوکت نعیم قادری، ڈاکٹر نعمت الحق، ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۲ء ص: ۲۸۴۔
۴۔ رشید حمید، ڈاکٹر، اقبال کا تصور تاریخ، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۹۷۔
۵۔ خورشید انور، قرۃالعین حیدر کے ناولوں میں تاریخی شعور، نئی دہلی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۹۳ء، ص: ۹۱۔
۶۔ قرۃالعین حیدر، ماہنامہ ''چہارسو''، راولپنڈی، جولائی، اگست، ۲۰۰۵ء ص: ۱۲۔
۷۔ قرۃالعین حیدر، میرے بھی صنم خانے، راولپنڈی: یوسف پبلشرز، سن ندارد، ص: ۲۰۳۔
۸۔ قرۃالعین حیدر، میرے بھی صنم خانے، ص: ۲۰۵۔
۹۔ ایضاً، ص: ۲۰۶

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

۱۰۔ ایضاً، ص: ۲۰۸
۱۱۔ ایم نسیم اعظمیٰ، ڈاکٹر، ''ایوان اُردو''، نئی دہلی، جنوری، ۲۰۰۸ء، ص: ۹۰۔
۱۲۔ قرۃ العین حیدر، سفینۂ غم دل، لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۶۹ء، ص: ۲۹۹۔
۱۳۔ محمو د ایاز، قرۃالعین حیدر اُردو فکشن کے تناظر میں، مرتبہ: ڈاکٹر جمیل الدین عالی، کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۲۰۰۹ء، ص: ۱۱۰۔
۱۴۔ قرۃالعین حیدر، آگ کا دریا، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص: ۸۶۔
۱۵۔ قرۃالعین حیدر، آگ کا دریا، ص: ۸۷
۱۶۔ ایضاً،ص: ۱۰۰
۱۷۔ ایضاً، ص: ۱۲۰
۱۸۔ ایضاً، ص: ۱۲۸
۱۹۔ ایضاً، ص: ۲۹۹
۲۰۔ ایضاً، ص: ۳۹۹
۲۱۔ شیبا عالم، ڈاکٹر، اُردو کے نمائندہ ناول نگاروں کا تاریخی شعور، لاہور: سنگ میل پبلیکشنز، ۲۰۱۰ء، ص: ۱۰۸۔
۲۲۔ قرۃالعین حیدر، آگ کا دریا، ص: ۱۰۱، ۱۰۰۔
۲۳۔ ایضاً، ص: ۲۴۰۔
۲۴۔ قرۃالعین حیدر، آخر شب کے ہمسفر، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء ص: ۱۲۰۔
۲۵۔ سیّدہ جعفر، پروفیسر، قرۃالعین حیدر خصوصی مطالعہ، مرتبین: سید عامر سہیل، شوکت نعیم قادری، ڈاکٹر نعمت الحق، ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۰۸۔
۲۶۔ قرۃالعین حیدر، آخر شب کے ہمسفر، ص: ۳۲۱۔
۲۷۔ ایضاً، ص: ۳۴۸۔
۲۸۔ قرۃالعین حیدر، کارِ جہاں دراز ہے، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۳۔
۲۹۔ قرۃالعین حیدر، کارِ جہاں دراز ہے، ص: ۳۰۴۔
۳۰۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، آزادی کے بعد اُردو ناول (ہیت، اسالیب اور رجحانات)، کراچی: احمد برادرز، ۲۰۰۸ء ص: ۱۰۸۔
۳۱۔ محمد عارف، پروفیسر، اُردو ناول اور آزادی کے تصورات، لاہور: مکتبہ جدید پریس، ۲۰۰۶ء ص: ۲۳۲۔
۳۲۔ قرۃالعین حیدر، گردشِ رنگ چمن، کراچی، مکتبۂ دانیال، ۱۹۸۷ء، ص: ۱۰۶۔